کلوروفل اور قرآن

(۲)

جناب مولوی محمد شہاب الدین ندوی۔ فرقانیہ اکیڈمی، جک باناور، بنگلور۔ نارتھ

دلائل آفاق کی غرض وغایت یہ ہے سائنس اور سائنسی علوم کا ایک مختصر سا تعارف۔ منطقی حیثیت سے ان پانچ علوم میں کائنات کی تمام چیزیں آجاتی ہیں بحث میں سورۂ روم اور سورۂ نحل کی جو آیات پیش کی گئی ہیں ان کا دوبارہ جائزہ لیجئے تو انہیں جن جن امور میں بھی غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے وہ کسی نہ کسی حیثیت سے ان ہی پانچ علوم کے دائرے میں آتے ہیں۔ غور فرمائیے کہ موجودہ سائنسی تحقیقات قرآنی منشا اور اس کے تقاضوں سے کس قدر قریب ہیں! اب حسب ذیل آیات میں تدبر کیجئے تو قرآن اور سائنس کے تعلق کی نوعیت پوری طرح روشنی میں آجاتی ہے۔

طٰهٰ ۱ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ ۲ الا تذکرۃ لمن یخشیٰ ۳ تنزیلاً ممن خلق الارض والسمٰوٰت العُلیٰ ۴ الرحمٰن علی العرش استویٰ ۵ لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض وما بینہما وما تحت الثریٰ ۶ وان تجہر بالقول فانہ یعلم السر واخفیٰ ۷ اللہ لا الٰہ الا ہو لہ الاسماء الحسنیٰ ۸

طا، ہا۔ (اے محمد) ہم نے تم پر یہ قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ تم (خواہ مخواہ) مشقت میں پڑ جاؤ (اور زبردستی لوگوں کو سمجھاتے پھرو) یہ قرآن تو ایک یاد دہانی ہے ہر اس شخص کے لئے جو خدا سے ڈرتا ہو۔ (یہ قرآن) اس ہستی کی جانب سے اتارا گیا ہے جس نے (حیرتناک قسم کے نظاموں سے لیس) زمین اور بلند و بالا سماوات پیدا کر دیئے وہ رحمٰن ہے جو عرش پر مستوی ہے۔ آسمانوں میں اور زمین میں اور ان دونوں کے درمیان جتنی بھی چیزیں ہیں اور گیلی مٹی کے نیچے (پاتال میں)

جو کچھ بھی ہے سب اسی کی ملکیت ہے۔ اگر تم زور سے بات کرو (یا آہستہ) وہ ہر حال میں تمام بھید اور مخفی باتوں تک سے واقف ہو جاتا ہے۔ اللہ کے سوا دوسرا کوئی الٰہ (نرالے اور حیرتناک افعال والا) موجود نہیں ہے۔ اس کے عمدہ عمدہ نام ہیں (طٰہٰ: ۱-۸)

ان آیات میں چھٹی آیت کا دائرہ جمادات (جیولوجیکل اشیاء) سے لے کر افلاک تک وسیع ہے: "لہ ما فی السمٰوٰت" میں نہ صرف تمام آسمانی ستارے و سیارے آجاتے ہیں بلکہ ان میں موجود مخلوق بھی آجاتی ہے۔ "وما فی الارض" میں کرۂ ارض پر پائی جانے والی تمام چیزیں آجاتی ہیں۔ "وما بینھما" کا اطلاق خصوصیت کے ساتھ خلائیات کے مظاہر اور ان کی نیرنگیوں پر ہوتا ہے۔ اور "وما تحت الثریٰ" (پاتال) کے تحت جیالوجی کے تمام متعلقات آجاتے ہیں۔ اب اس عالم رنگ و بو کی وہ کون سی چیز اور وہ کون سا مظہر ہے جو ان چار کلیات سے باہر ہو؟

پھر غور فرمائیے کہ سیاق و سباق (نظم کلام) کے لحاظ سے اس آیت کریمہ کا مقصد کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ بیان محض قرآن کی زینت بڑھانے یا ایک بات کی نری خبر دے دینے کی خاطر نہیں لایا گیا ہے۔ بلکہ جیسا کہ آخری دو (ساتویں اور آٹھویں) آیات سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اس بیان کے ذریعہ دراصل اللہ تعالیٰ کی ملکیت (تمام مظاہر کائنات اس کے قبضہ و قدرت میں ہونے) کا نظارہ کرایا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بنیادی حقیقت پیش نظر رہنی چاہیے کہ مظاہر کائنات کا جو خالق و مالک ہوگا وہ ان کی رگ رگ سے واقف بھی ہوگا۔ اور جو ان مظاہر اور انکی کارکردگیوں کا عالم ہوگا وہ ان کا خالق و مالک بھی ہوگا۔[1]

---

[1] لہٰذا اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ تمام مظاہر کائنات یا مظاہر ربوبیت کا عالم ہے تو پھر اس کے خالق و مالک ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہنا چاہیے۔ اور جو خالق و مالک ہوگا وہی معبود و مسجود بھی ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ صفت علم، صفت خلاقیت اور صفت مالکیت کا اظہار کیا گیا ہے اور نظام کائنات کے جو اسرار بیان کیے گئے ہیں وہ بھی (باقی آگے ص ۲۹۹ پر دیکھیے)

الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر : جس نے پیدا کیا ہے ، کیا وہ ناواقف رہ سکتا ہے ؟ حالانکہ وہ بڑا ہی باریک بیں اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے (ملک : ۱۴)

خلق کل شیٔ وھو بکل شیٔ علیم : اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ (انعام : ۱۰۲)

تخلیق اور علم جس طرح لازم و ملزوم ہیں اسی طرح ملکیتِ تامہ اور علم میں بھی چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کا مالک تو ہو مگر وہ اس کی مشنری اور اس کے کل پرزوں سے ناواقف رہ جائے۔ اسی بنا پر ساتویں آیت میں کہا گیا ہے کہ وہ مخفی چیزوں اور دلوں کے اسرار اور ان کے بھیدوں تک سے واقف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم کائنات کی ہر چیز پر محیط ہے خواہ وہ افلاک میں ہو یا پاتال میں، زمین میں ہو یا آسمان میں، خشکی میں ہو یا بحر ظلمات میں، روشنی میں ہو یا تاریکی میں، ظاہر میں ہو یا باطن میں، خواہ وہ محسوسات سے ہو یا تخیلات سے افکار و خیالات سے متعلق ہو یا وارداتِ قلب سے۔ اس عالمِ آب و گل کی ایک ذرہ برابر چیز بھی اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو سکتی اور ایک تنکا تک اس کے علم ازلی و ابدی سے باہر نہیں جا سکتا۔

لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ فی السمٰوٰت ولا فی الارض ولا اصغر من ذلک ولا اکبر الا فی کتٰب مبین : اس (کی نظروں) سے زمین و آسمانوں کی ایک رتی برابر چیز (جیسے ایک ایٹم) بھی اوجھل نہیں ہو سکتی، نہ اس سے چھوٹی (جیسے تابکار ذرات) اور نہ بڑی (جیسے شہابیے) ان سب کا حساب ایک کھلی کتاب میں ہے (سبا : ۳)

قرآنی نصوص کی روشنی میں کائنات اور اس کی مشنری کے مطالعہ سے تمام مظاہر کائنات

(حصہ) آگے چل کر اس علم ازلی کے ... اظہار و انکشاف ہی کی غرض سے ہیں ! "کلوروفل" کے مباحث سے اللہ تعالیٰ کے ہمہ دان و ہمہ بین ہونے کا حال پوری طرح آشکارا ہو جاتا ہے۔

کی مخلوقیت و مملوکیت اور ان کے ایک ایک جزیہ پر علم الٰہی کی گرفت مضبوط ہونے کا آفاقی نظارہ اور اس کی صفت خلاقیت وصفت مالکیت کا بھرپور مشاہدہ ہوجاتا ہے^{لے}۔ اسی بنا پر آٹھویں آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ کے سوا اس کائنات میں کوئی دوسرا الٰہ (نرالے اور حیرتناک افعال والا) موجود نہیں ہے۔ اور اس کے اچھے اچھے نام ہیں، یعنی وہ نہایت عمدہ اور قابل ستائش صفات (خلاقیت، مالکیت، علمیت اور ربوبیت والوہیت وغیرہ) سے مزین ومتصف ہے۔ لہذا عالم ارض وسماوات میں تعریف وتوصیف کا اصل مستحق وہی ہے اور وہی ہونا چاہئے۔ سائنس اور قرآن کا یہ حاصل مطالعہ اور لب لباب ہے۔ یہ اسلامی نقطۂ نظر سے مطالعہ کائنات کی بنیادی غرض وغایت ہے جو مطابق واقعہ ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی سائنس داں پوری سچائی اور غیر جانبداری کے ساتھ پوری کائنات اور اس کے مظاہر کا مطالعہ کرے اور مذکورہ بالا ثمرات ونتائج تک نہ پہنچ سکے، اور اس کی رسائی ایک نرالے اور حیرتناک افعال والی ہستی تک نہ ہوجائے۔

ان آیات کا تقاضا ہے کہ نوع انسانی ایسی زبردست ہستی کی معبودیت والوہیت کو تسلیم کرکے اس کے روبرو اپنا سر نیاز جھکادے۔ اس لحاظ سے قرآن کریم کے نظام کائنات میں غور وخوض کی دعوت دینے اور علوم کائنات سے تعرض کرنے کے دو بنیادی مقاصد ہیں:

۱۔ نوع انسانی کو علم الٰہی کی ازلیت وہمہ گیری کا آفاقی مشاہدہ کرانا۔

۲۔ اس مشاہدہ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت ومعبودیت کو تسلیم کرانا۔

اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ نوع انسانی اسلام کو سچا اور ابدی دین تسلیم کرکے اسکے مقرر کردہ ضابطۂ حیات کی طرف متوجہ ہو اور اس کے دستور زندگی کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال کر نجات آخروی اور حیات جاودانی کی مستحق بن جائے۔

لے ۔ یہ فائدہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ قرآن اور کائنات میں تطبیق دی جائے۔ قرآن میں جتنے بھی دعوے کیے گئے ہیں کائنات میں ان کا ثبوت وشہادت موجود ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں جگہ جگہ نظام کائنات کے حقائق اور اس کے اسرار و رموز بیان کرکے نوع انسانی کے ذہن و دماغ پر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و الوہیت کے نقوش مرتسم کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ وہ اسلام کے سرچشمۂ ہدایت کی طرف پورے اشتیاق اور وارفتگی کے ساتھ لپک سکے۔ اسی بنا پر قرآن حکیم میں جگہ جگہ ذکر، ذکریٰ، تذکرہ، تذکر اور ان کے مشتقات لائے گئے ہیں[1] تاکہ نوع انسانی کو وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و الوہیت پر تنبیہ کیا جاسکے اس موقع پر تیسری آیت "الا تذکرۃ لمن یخشیٰ" (یہ تو ایک یاد دہانی ہے ہر اس شخص کے لیے جو خدا سے ڈرتا ہو) کا یہی مفہوم ہے۔ اسی بنا پر دوسری آیت میں کہا گیا ہے کہ اے محمد ہم نے اس قرآن کو اس لیے نازل نہیں کیا کہ تم خواہ مخواہ مشقت میں پڑ جاؤ۔ بلکہ اس قرآن کے حیرت انگیز مضامین بطور یاددہانی بیان کر دینا کافی ہے۔ رسول کے واسطے سے یہ خطاب آج پوری امت اسلامیہ سے ہے کہ وہ اقوام عالم تک قرآن کریم کے پیغامات اور اس کے حیرت انگیز مضامین پہنچا دے۔ اس لحاظ سے قرآن مجید میں انسان کو بصیرت و یاددہانی اور تنبیہہ دانتباہ کا پورا پورا سامان جمع کر دیا گیا ہے اور اس کو مختلف قسم کے "تذکروں" یا اسباق و بصائر سے لیس کر دیا گیا ہے تاکہ اصول دین اور ان کی حقانیت پوری طرح آشکارا ہو جائے۔

غرض علم الٰہی کی ازلیت و ہمہ گیری کا آفاقی نظارہ کرانے کی غرض سے قرآن مجید میں مظاہر کائنات اور ان کے اسرار سربستہ کا تذکرہ کیا گیا ہے یہ تذکرہ قرآن مجید میں ایک خاص اعجازی انداز میں موجود ہے۔

وما من غائبۃ فی السماء والارض الا فی کتٰب مبین : اور ارض و سما کا کوئی راز ایسا نہیں ہے جو (اس) کتاب روشن میں موجود نہ ہو (نمل: ۷۵)

---

[1] ان سب کا مادہ (ذ۔ک۔ر) مشترک ہے جس کا اطلاق یاددہانی، نصیحت، چونکاوا اور تنبیہ وغیرہ پر ہوتا ہے۔

جب انسانی تحقیق و تفتیش کی بدولت کائنات کے اسرارِ سربستہ یا رازہائے ربوبیت کا افشا ہوتا ہے تو ربانی انکشافات (جو اسرار کائنات سے متعلق ہوں) آفاقی و انفسی دلائل کے روپ میں جلوہ گر ہو جاتے ہیں۔ آیات ذیل میں اسی رمز کی گرہ کشائی کی گئی ہے:

اولیس اللہ باعلم بما فی صدور العلمین: کیا اللہ کائنات کے بھیدوں کو بخوبی جاننے والا نہیں ہے؟ (عنکبوت: ۱۰)

الا یسجدوا للہ الذی یخرج الخبء فی السموٰت والارض ویعلم ما تخفون وما تعلنون: کیا یہ لوگ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز نہ ہوں گے جو زمین و آسمانوں کی پوشیدہ چیزوں کو ظاہر کر دیتا ہے اور ان تمام امور سے واقف ہے جن کو تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو؟ (نمل: ۲۵)

قل انزلہ الذی یعلم السر فی السموٰت والارض انہ کان غفوراً رحیماً: کہہ دو کہ اس (کتاب) کو اس نے اتارا ہے جو زمین و آسمانوں کے اسرار کو جاننے والا ہے یقیناً وہ بڑا ہی مہربان ہے (فرقان: ۶)

ان حقائق و معارف کے اظہار ہی سے حسب ذیل آیات کی صداقت ظاہر ہو سکتی ہے؟

سنریھم اٰیٰتنا فی الاٰفاق وفی انفسھم حتیٰ یتبین لھم انہ الحق: ہم ان منکرین کو اپنے نشانات و دلائل دکھا دیں گے آفاق اور انفس میں یہاں تک کہ اس کلام کی حقانیت ان پر ظاہر ہو جائے (حٰم سجدہ: ۵۳)

ویریکم اٰیٰتہ فای اٰیٰت اللہ تنکرون: وہ تم کو اپنے علامات قدرت دکھا دے گا۔ پھر تم اس کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے؟ (مؤمن: ۸۱)

ظاہر ہے کہ ان "آیات و نشانات" یا دلائل آفاق و انفس کا اظہار و اثبات اسی وقت ہو سکتا ہے اور نوع انسان پر یہ حجت خداوندی بھی اسی وقت پوری ہو سکتی ہے جب کہ علم انسانی یا علوم سائنس کو قابل حجت و قابل استدلال تسلیم کیا جائے۔

قوانین قدرت اور سائنسی نظریات | چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو قانون فطرت اور اسباب وعلل کے روپ میں نہایت منظم ومنضبط طور پر تخلیق کیا ہے۔ اس لئے وہ فطرت کے قوانین، اسکے اسباب وعلل اور اس کے نظم وضبط میں غور وفکر کرکے رازہائے فطرت (اسرار ربوبیت) کو سمجھنے اور قوانین قدرت کا کھوج لگانے کی دعوت دیتا ہے۔ کیوں کہ قوانین قدرت کی چھان بین سے اُن کے مقنن کی طرف اور مظاہر کائنات کی تحقیق وتفتیش سے ان کے خالق وناظم اور مدبر ومنتظم کی طرف توجہ مبذول ہوتی ہے۔ قوانین فطرت کا اجراء اور ان کا نظم وضبط افعال الٰہی کی کارگزاریاں ہیں۔ ان قوانین کی اوٹ میں شاہد حقیقی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اور افعال الٰہی کی رازجوئی سے معرفت حق حاصل ہو جاتی ہے۔

چونکہ سائنسی افکار ونظریات عموماً تغیر پذیر ہوتے ہیں۔ اس لئے اس موقع پر یہ اشکال پیش آتا ہے کہ اس مسئلہ کا حل کیا ہے؟ تو اس سلسلے میں حسب ذیل اصول پر نظر رہنی چاہیئے:۔

۱۔ تبدیلی عموماً غیر ثابت شدہ اور مفروضہ نظریات میں ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ثابت شدہ اور مسلّمہ حقائق، جن کو قوانین قدرت (لاز آف نیچر) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے پر بہت بڑی حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ قوانین قدرت سے مراد وہ اصول فطرت ہیں۔ جو مشاہدہ وتجربہ اور اختبار واستقراء میں پوری طرح ثابت ہو چکے ہوں اور جن کی حیثیت مُسلّمات کی سی ہو۔ کوئی وجہ نہیں کہ ان اصول وقوانین کو قابلِ وثوق اور قابلِ استدلال تصور نہ کیا جائے۔ اس لحاظ سے علم کیمیا، طبیعیات اور بیالوجی کے اکثر اصول وضوابط قابلِ استدلال ہیں۔

اس کے برعکس وہ افکار وآراء جن کی حیثیت محض نظری (THEORETICAL —) ہوتی ہے اور تجربہ واختبار اور استقراء (INDUCTION) سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، تو اسی قسم کے نظریات ومسائل میں آئے دن تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے۔ جیالوجی، فلکیات

آغاز حیات، روح اور اس کے مظاہر اور نظریۂ ارتقاء وغیرہ کے اکثر مسائل اس دائرہ میں آتے ہیں۔ اس قسم کے مسائل ومباحث کی حیثیت زیادہ تر ظن وتخمین کی ہوتی ہے۔ حتمی ویقینی نہیں لہٰذا اس قسم کے مسائل سے استدلال کرنے میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ انسان کو بعض چیزوں کا ایک حد تک قطعی علم حاصل ہو جاتا ہے اور بعض چیزوں کی حد تک وہ کسی حال میں نہیں پہنچ سکتا بلکہ اس کے مبادیات تک سے بھی واقف نہیں ہو سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی عجیب وغریب حکمت ہے۔ اس میں منشائے الٰہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اظہار ربوبیت اور اتمام حجت کی خاطر انسان کو ایک حد تک یقینی علم سے نوازے تو دوسری طرف اس کو اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا بھی پوری شدت کے ساتھ احساس دلاتا رہے دراصل انسان اس کارخانہ فطرت کی اصل کنہ وحقیقت کو کبھی نہیں پا سکتا اور اس کائنات کے تمام اسرار کا احاطہ کبھی نہیں کر سکتا۔[1]

معرفت الٰہی کے حصول کے لئے یہ دونوں امور نہایت ضروری ہیں۔ انسان کو سوچ بچار سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ علم حقیقی کی بہ نسبت جہل سے زیادہ مشابہ ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا کلیہ ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا خواہ دنیا کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائے اور اس توازن ہی سے انسان پر قابو اور کنٹرول کیا جا سکتا ہے ورنہ یہ منہ زور گھوڑا کبھی رام نہیں ہو سکتا۔ انہی تمام وجوہات کی بنا پر مظاہر فطرت کا جائزہ لینے کی دعوت دی گئی ہے۔

قل انظروا ماذا فی السمٰوٰت والارض وما تغنی الآیات والنذر عن قوم لا یؤمنون: کہہ دو کہ زمین وآسمانوں میں جو جو چیزیں موجود ہیں ان کا بغور مشاہدہ (ومعائنہ) کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ دلائل اور تنبیہات سے بے ایمانوں کو کوئی فائدہ

---

[1] اب یہ مفسر کی ہوش مندی اور فہم وفراست پر موقوف ہے کہ وہ علوم سائنس سے کس حد تک اور کس انداز میں استدلال کرے۔

نہیں پہنچتا (یونس : ۱۰۱)

۲- اس سلسلے میں دوسرا اصول یہ ہے کہ قرآن حکیم نظام کائنات سے متعلق جن حقائق کا انکشاف یا پیش گوئی کر چکا ہے اگر علم انسانی اپنی تحقیق و تفتیش کے ذریعہ اس انکشاف یا پیشگوئی تک پہنچ جائے تو اس سے ظاہر ہے کہ قرآن عظیم کی تصدیق تو ہوگی ہی، مگر دوسری طرف خود علم انسانی (سائنسی انکشاف) بھی محکم اور قابل استدلال سمجھا جائے گا۔ اس کے لئے شرط صرف یہ ہے کہ قرآن حکیم کے معانی و مطالب میں خواہ مخواہ قسم کی تاویلیں اور توڑ مروڑ نہ کیا جائے بلکہ "بلسان عربی مبین" کا لحاظ رکھتے ہوئے اصول فقہ کے بیان کردہ نصوص اربعہ (عبارت النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص) کی روشنی میں اور اصول بلاغت کے مطابق تشبیہ، استعارہ اور توریہ وغیرہ کی رو سے جو معانی و مطالب تحقیقات جدیدہ کے مطابق و ہم آہنگ ہو جائیں، تو پھر ان کی قطعیت میں کسی قسم کا شبہ نہیں رہتا[1]۔ اور دوسری حیثیت سے قرآنی متشابہات بھی محکمات میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ زیر نظر مضمون (کلوروفل) بھی "توریہ" کی ایک بہترین مثال ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

خلق اللہ السموٰت والارض بالحق ان فی ذٰلک لآیۃ للمؤمنین: اللہ نے زمین و آسمانوں کو حقانیت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اس باب میں اہل ایمان کے لئے یقیناً ایک بڑی نشانی موجود ہے (عنکبوت : ۴۴)

۳- یہ ہو نہیں سکتا کہ نظام کائنات سے متعلق کوئی سائنٹفک تحقیق جس کی قرآن نے مذکورۂ بالا طریقے سے ——— صراحتاً تصدیق کر رہا ہو زمانہ مستقبل میں مزید تحقیق و تفتیش اور تلاش و جستجو سے غلط

---

[1] قرآنی نصوص کی حیثیت دراصل ایسے کلیات کی ہوتی ہے جن کی لچک اور وسعت میں ہر دور کی تحقیقات سما جاتی ہیں۔ بعض آیات کے کئی کئی مصداق بھی ہو سکتے ہیں۔ تفصیلات اور مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو میری کتاب "قرآن مجید اور سائنس"

ثابت ہو جائے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس کا کوئی دوسرا پہلو واضح ہو جائے یا کوئی دوسرا پہلو واضح ہو جائے یا کوئی نیا مصداق ظاہر ہو جائے اس طرح کہ مفہوم اول بھی غلط نہ ہونے پائے۔

کائنات اور اس کے مظاہر خدائی صفات و افعال کے مظہر اور کارگذاریاں ہیں اور قرآن عظیم کلام الٰہی کا آئینہ اور اقوال الٰہی کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا خدا کے قول (قرآن) اور فعل (کائنات) میں تعارض و تضاد کس طرح ہو سکتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اقوال الٰہی اور افعال خداوندی کی تطبیق و ہنوائی ہی سے معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

واتل ما اوحی الیک من کتاب ربک لا مبدل لکلماتہ: اور تم کتاب ربانی کے ان مندرجات کو پڑھ کر سناؤ جو بذریعہ وحی تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔ اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے (کہف: ۲۷)

وتمت کلمت ربک صدقا وعدلا لا مبدل لکلماتہ: اور تیرے رب کی بات پوری ہوئی کیا بلحاظ سچائی اور کیا بلحاظ عدل و درستی۔ اس کی باتوں (اور دعووں) کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے (انعام: ۱۱۵)

کتاب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید: یہ ایسی زبردست اور غیر مغلوب کتاب ہے جس میں باطل نہ آگے سے در آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے جگہ پا سکتا ہے (نہ ماضی میں نہ مستقبل میں) کیوں کہ یہ ایک دانشمند اور خوبیوں والے (خدائے برتر) کی جانب سے نازل کردہ ہے (حٰم سجدہ: ۴۱-۴۲)

آلر کتاب احکمت آیاتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر: الف، لام، را۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات مضبوط و مستحکم کی گئی ہیں (جس کی بنا پر ان میں کبھی رد و بدل نہیں ہوتا) اور ان کی خدائے دانا اور باخبر کی جانب سے تفصیل کی گئی ہے (جس کی بنا پر وہ کبھی خلاف واقعہ نہیں ہو سکتیں (ہود: ۱)

۴۔ اگر کسی مسئلہ میں سائنس داں شک و تردد میں ہوں یا کسی معاملہ میں مختلف و متضاد رائیں رکھتے ہوں اور اس بارے میں قرآن کریم کی بھی کوئی رائے اور نظریہ موجود ہو تو ایسی صورت میں قرآن کی حیثیت ایک قاضی اور جج کی سی تصور کی جائے گی۔ کیوں کہ انسانی علم ظنی اور خدائی علم قطعی و یقینی ہوتا ہے۔ گویا کہ قرآن ایک آئینہ ہے جس میں انسانی افکار و نظریات کی خامیوں کا حال ظاہر ہو جاتا ہے۔ وہ ایک ایسی کسوٹی ہے جو کھرے کھوٹے کو چھانٹ دیتی ہے "فرقان" کا ایک مصداق یہ بھی ہو سکتا ہے، جو قرآن کا ایک بہت بڑا وصف ہے۔

ھذا کتابنا ینطق علیکم بالحق : یہ ہماری کتاب ہے جو تم پر ٹھیک ٹھیک بول رہی ہے (جاثیہ : ۲۹)

انہ لقول فصل وما ھو بالھزل : یہ ایک فیصلہ کن کلام ہے کوئی ہنسی مذاق نہیں (طارق : ۱۳-۱۴)

۵۔ اگر قرآن کا کوئی بیان کسی دور میں بظاہر علم انسانی کے خلاف معلوم ہو یا اس کی حقیقت مستور ہو تو اس صورت میں علم انسانی کو خام و ناقص اور علم الٰہی کو قطعی و یقینی تصور کیا جائے گا۔ اسکا مطلب یہ ہوگا کہ علم انسانی ابھی ناپختہ و ناکمل ہے اور قرآنی بیان کی صحت و صداقت زمانۂ مستقبل میں مزید تلاش و تفحص سے ضرور ظاہر ہو گی۔ مثال کے طور پر آج سائنسی نقطۂ نظر سے آسمانوں کے ذاتی وجود کی حقیقت مستور ہے۔ جس کی اصلیت انشاء اللہ زمانۂ مستقبل میں ظاہر ہو کر رہے گی۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو میری کتاب "چاند کی تسخیر قرآن کی نظر میں" یا "قرآنی نظریہ سماوات"۔

وسع ربی کل شیٔ علماً افلا تتذکرون : میرا رب علمی اعتبار سے ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے کیا تم چونکتے نہیں؟ (انعام : ۸۰)

اولم یکف بربک انہ علیٰ کل شیٔ شہید : کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب (اس کائنات کی) ہر چیز سے آگاہ و باخبر ہے؟ (حٰم سجدہ : ۵۳)

ولا ینبئک مثل خبیر: اور تمہیں کوئی باخبر ہی خبردار کر سکتا ہے (بے خبر و ناواقف نہیں (فاطر: ۱۴)

سائنس اور مادہ پرستی | مباحث بالا سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو چکی ہے سائنس کسی بھی طرح دین و مذہب کی ضد نہیں ہے بلکہ سائنسی تحقیقات کی بدولت مذہب کا چہرہ مزید روشن و تابناک ہو جاتا ہے اور اصول دین میں مزید حسن و نکھار پیدا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قرآن عظیم کا اصل مقابلہ سائنس سے نہیں بلکہ الحاد و مادیت، نام نہاد عقلیت (RATIONALISM —) ریب و تشکیک (SCEPTICISM) اور کفر و شرک سے ہے۔ مادہ پرستانہ فلسفہ اور اس کی ذہنیت یہ ہے کہ مادہ (MATTER) اور اس کے مظاہر کا کوئی خالق و صانع اور ناظم و مدبر موجود نہیں ہے بلکہ یہ پورا سلسلۂ تخلیق بغیر کسی مقصد و غایت کے محض بخت و اتفاق کے تحت وجود میں آ گیا ہے۔ اور اس کا سارا نظام خود بخود اور آپ سے آپ رواں دواں ہے جس کا نہ تو کوئی خاص نتیجہ برآمد ہوگا نہ انجام۔ خلاصہ یہ کہ مادیت (MATERIALISM) کی نظروں میں یہ کائنات کوئی منصوبہ بند نظام نہیں ہے۔ جیسا کہ خود قرآن اس عقیدہ کو محفوظ کر کے اس پر تبصرہ کرتا ہے:

وقالوا ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر وما لھم بذلک من علم ان ھم الا یظنون: اور ان کا کہنا ہے کہ اس دنیوی زندگی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم (یہیں) مرتے اور جیتے ہیں۔ ہمیں صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے (جو کچھ ہے وہ سب زمانے کے تغیرات ہیں نہ کوئی خدا ہے اور نہ کوئی خالق و مربی) در اصل انہیں اس معاملہ میں کوئی علم ہی نہیں ہے۔ یہ تو نری قیاس آرائیاں کرتے ہیں (جاثیہ: ۲۴)

یہ مادیت کے عقیدے کی صحیح ترجمانی اور اس پر بہترین تنقید و تبصرہ ہے[1] یعنی ان کے

---

[1] الحاد و دہریت کا عقیدہ زمانہ قدیم سے خال خال طور پر پایا گیا ہے۔ لیکن آج وہ جس عالمگیر شکل میں نظر آرہا ہے اس کی مثال کسی دور میں نہیں ملتی۔

پاس اس عقیدہ کی صحت و صداقت پر کوئی علمی دلیل نہیں ہے بلکہ صرف ظن و تخمین اور مغالطہ وسفسطہ (SOPHISTRY) ہے۔ ان کے تخیلات و مفروضات اندھیرے میں تیر چلانے اور ٹامک ٹوئیاں مارنے کے مترادف ہیں۔ جس کی حیثیت علمی دنیا میں تار عنکبوت سے زیادہ پائیدار نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ملحدین و بے دینوں کو اپنے نظریہ کی صحت و صداقت پر کوئی مثبت علمی و آفاقی دلیل پیش کرنی چاہیئے جس کو وہ قیامت تک پیش نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کے نظام کائنات کا ذرہ ذرہ خدا پرستی کی تصدیق و تائید کرتا نظر آئے گا اور تمام مظاہر فطرت خلاق عالم کی اطاعت و فرمانبرداری کا صاف صاف اعلان کرتے دکھائی دیں گے۔

ولہ من فی السمٰوٰت والارض کل لہ قانتون: زمین اور آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے سب اس کی ملکیت ہے۔ اور ہر ایک اسی کا فرمانبردار ہے (روم: ۲۶)

اب کائنات کے سائنٹفک جائزہ سے مظاہر کائنات کے "قنوت" یا فرمانبرداری کا حال پوری طرح آشکارا ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عالم حیوانات و عالم نباتات اور خود انسانوں تک کا ایک ایک عضو اور ایک ایک پرزہ، ایک ایک ڈالی، شگوفہ، پھول، پھل اور مختلف برگ و بار وغیرہ سب کے سب "قنوت" کا کلمہ پڑھ رہے ہیں اور ایک حیرت انگیز خود کارانہ نظام کے تحت رواں دواں ہیں۔ ان کی ساخت و پرداخت اور ان کا طبعی و فطری نشو و نما بالکل متعین اور ہمیشہ بندھے اصولوں کے تحت ہوتا ہے۔ خلاق فطرت اور مدبر... کائنات نے جس جس نوع کا جو فطری ضابطہ مقرر کر دیا ہے وہ اس سے ذرہ برابر بھی تجاوز نہیں کرتی۔

وخلق کل شئی فقدرہ تقدیراً: اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کا ایک (فطری) ضابطہ مقرر کیا (فرقان: ۲)

آج مادہ پرستانہ ذہنیت اور اس کے عقیدہ کا پرچار مختلف قسم کے فلسفوں اور نظریوں کی شکل میں کچھ اس انداز سے کیا جاتا ہے کہ لوگوں کو اس نظریہ کے علمی و سائنٹفک ہونے کا دھوکا

ہوجاتا ہے۔ سائنسی نظریات و اکتشافات سے مادیت کی تائید ہرگز نہیں ہوتی، بلکہ سائنس صرف کائنات کی مشنری، اس کے کل پرزوں اور اس کے رازہائے سربستہ کو بے نقاب کرتی ہے جو بالکل ایک غیر جانب دارانہ یا "سیکولر" تحقیق ہے۔ سائنس کے بے لاگ اکتشافات کے باعث آج اس کا "قیمتی ووٹ" مذہب اسلام کے بیلیٹ بکس (BALLOT BOX) میں نظر آرہا ہے۔ مگر مادہ پرست بالکل بازاری سیاست دانوں کی طرح اپنے خود ساختہ عقائد اور غلط و بے بنیاد قسم کی فلسفیانہ نظریات کو مسلمہ حقائق کے ساتھ خلط ملط کر کے سائنس کا "قیمتی ووٹ" اپنی جھولی میں ڈال لینا چاہتے ہیں اور سوفسطائیت (SOPHISTRY) کا مظاہرہ کر کے پوری دنیا کو مغالطہ میں مبتلا کر دینا چاہتے ہیں مگر ؎

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

غرض سائنس کا یہی وہ قیمتی ووٹ ہے جو قرآن کریم کے انکشافات کے مطابق آفاقی و انفسی دلائل کا روپ دھار کر ہر قسم کی باطل پرستیوں کا قلع قمع کر دیتا ہے۔

بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق و لکم الویل مما تصفون:۔ بلکہ ہم حق (کی لاٹھی) کو باطل پر پھینک مارتے ہیں جو اس کا بھیجہ پھاڑ دیتی ہے جس کے نتیجے میں وہ نابود ہو جاتا ہے۔ اور تمہاری خرابی ہے جو تم طرح طرح کے بیانات دیتے رہے ہو (انبیاء ۶: ۱۸)

سائنس کی گوشمالی | مذکورہ بالا ملاحظات سے یہ حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے کہ سائنس ایک آئینہ صافی ہے جس کی روشنی میں ہر کوئی حقیقت حال کا چہرہ دیکھ سکتا ہے اور اپنے خود ساختہ افکار و خیالات کی خامیوں کا حال ایک کھلی کتاب کی طرح پڑھ سکتا ہے۔ کیوں کہ نقاش فطرت نے کائنات کے نظام اور اس کی ساخت و پرداخت میں حیران کن حد تک مختلف قسم

کی حکمتیں، مصلحتیں اور اسباق و بصائر رکھ دیئے ہیں۔ اس طرح کہ محض ذرا سی کھوج کرید تحقیق و تفتیش اور تلاش و جستجو سے یہ ابدی سچائیاں ظاہر ہو جاتی ہیں۔

وما خلقنا السموت والارض وما بینھما لعبین۔ وما خلقنٰھما الا بالحق ولکن اکثرھم لایعلمون: اور ہم نے زمین آسمانوں اور ان دونوں کے درمیانی مظاہر کو کھیل کود میں نہیں پیدا کیا ہے۔ (بلکہ حقیقتاً) ہم نے ان دونوں کی تخلیق حکمت و مصلحت کے ساتھ کی ہے مگر اکثر لوگ ان باتوں سے ناواقف ہیں (دخان: ۳۸-۳۹)

ہر دور میں باطل افکار و آراء کی تردید اور باطل پرستوں کی سرکوبی و گوشمالی ضروری ہے ورنہ پھر خدا پرستی کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہ سکتا اور انسانی و اخلاقی اقدار سخت خطرہ میں پڑ جائیں گی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ہر دور میں قطعی و فیصلہ کن دلائل و بینات کے ذریعہ حق کی نصرت و حمایت اور باطل کی سرکوبی کرتا ہے۔

ان اللّٰہ لا یصلح عمل المفسدین۔ ویحق اللّٰہ الحق بکلمٰتہ ولو کرہ المجرمون: اللہ فسادیوں کے کام کو پنپنے نہیں دیتا۔ اور اللہ اپنے کلمات (دلائل و براہین) کے ذریعہ حق کو حق کر دکھاتا ہے۔ اگرچہ مجرم اس کو ناپسند ہی کریں (یونس: ۸۲)

ویمح اللّٰہ الباطل ویحق الحق بکلمٰتہ انہ علیم بذات الصدور: اور اللہ باطل کو مٹاتا ہے اور اپنے کلمات کے ذریعہ حق کو حق کر دکھاتا ہے۔ بیشک وہ دلوں کے حالات تک سے واقف ہے (شوریٰ: ۲۴)

سائنس کی یہ افادیت و اہمیت اپنی جگہ پر بالکل مسلم ہے جس میں کسی شک و شبہ اور رد و قدح کی گنجائش نہیں ہے۔ مگر ہاں ایک حیثیت سے خود سائنس اور سائنس والوں کی بھی تھوڑی سی گوشمالی ضروری ہے تاکہ انسان کو خودسری و خود فریبی کے مرض سے بچایا جا سکے یعنی انسان اپنے علوم و تحقیقات پر کبھی مغرور و متکبر نہ بن جائے اپنی عقل و تدبیر پر نازاں و فرحاں نہ ہو جائے اور اس کے دماغ میں غرور و گھمنڈ کے جراثیم سرایت نہ کر جائیں۔ بلکہ

اس کو ہمیشہ اپنی بے بضاعتی و ناپختگی، خام کاری اور نا مکملیت کا قوی و شدید احساس ہوتا رہے تاکہ وہ اپنے سے زیادہ قوی، مکمل، پختہ اور ہمہ دان وہمہ بین ہستی کی بارگاہِ الوہیت میں جھک سکے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کائنات اور اس کے مظاہر کی اصل کنہ وحقیقت تک کبھی رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کا علم ہمیشہ سطحی اور واجبی واجبی قسم کا رہے گا جیسا کہ کلوروفل کے مباحث سے ظاہر ہوگا۔ اس قسم کا احساس مطالعہ کائنات کا لازمی نتیجہ ہے اور ہر سچا سائنس داں اس حقیقت عظمیٰ کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے جس میں اس کو کسی قسم کا باک یا عار نہیں ہو سکتا اور نہ ہونا چاہیئے۔

انسان کا کائنات کے مکمل علم کو حاصل نہ کر سکنا دراصل اس بات کی ناقابل تردید دلیل ہے کہ ان ظواہر کے پس پردہ ایک زبردست ہستی کرسی نشین ہے جو اسکیم کے مطابق انسان کو بالکل تھوڑا سا علم عطا کرتی ہے، مکمل حقیقت تک اس کی رسائی ہونے نہیں دیتی۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَلَا یُحِیطُونَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ: اور یہ لوگ اس کے اتنے ہی علم کا احاطہ کر سکتے ہیں جتنا کہ وہ چاہتا ہے (البقرہ: ۲۵۵)

یہ ربانی دعویٰ عین مطابق واقعہ ہے۔ الغرض سائنس یا سائنس دانوں کی تادیب اس حیثیت سے بھی ضروری ہے کہ آج عام طور پر اس کی حیثیت ایک مہادیو یا بے تاج بادشاہ کی سی ہو چکی ہے۔ اکثر حلقوں میں سائنس ایک جدید دیوی کی حیثیت سے دھڑا دھڑ پوجی جا رہی ہے۔ لوگ ہر معاملہ میں سائنس ہی کی طرف رجوع کرنے اور اس کی دہائی دینے کے عادی ہو چکے ہیں۔

——— باقی